



فلسفہ قربانی

مفتی منیب الرحمن

اصل عربی لفظ ”قربان“ ہے اور اس کا مادہ ”قرب“ ہے، اس کے معنی ہیں: اللہ تعالیٰ کی ذات سے قربت حاصل کرنے اور اُس کی رضا کے لیے عبادت کی نیت سے اس کی بارگاہ میں کوئی جانی یا مالی نذر اور صدقہ پیش کرنا، اس لفظ کو ہم نے اردو میں بدل کر ”قربانی“ بنا دیا، جیسے عربی کے لفظ ”حاج“ کو ہم نے اردو میں ”حاجی“ بنا دیا۔ بطور خاص دس تا بارہ ذوالحجہ مسلمان حضرات ابراہیم واسماعیل وسیدنا محمد رسول اللہ علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنت کے طور پر جو جانور کی قربانی پیش کرتے ہیں، اسے قرآن وحدیث کی اصطلاح میں ”نُسک، اُضحیہ اور ضحیہ“ کہا جاتا ہے۔

ہر دور میں اہل دانش یہ کہتے رہے ہیں کہ تین دنوں میں اتنی بڑی تعداد میں قربانی کے جانوروں کا ذبح کیا جانا ایک غیر دانش مندانہ، غیر اقتصادی عمل اور وسائل کا ضیاع ہے، ایک مشورہ یہ بھی دیا جاتا ہے کہ قربانی پر خرچ ہونے والے پیسے کو انسانی فلاح کے کاموں پر خرچ کر دیا جائے۔ ایسی فکر کو عقلیت پسندی یا Rationalism کہتے ہیں کہ ہر چیز کو مادی نفع و نقصان کی کسوٹی پر پرکھا جائے اور جسے عقل عام قبول نہ کرے، اُسے رد کر دیا جائے۔ قربانی ایک امر تعبّدی ہے اور اس کا ممدار اللہ تعالیٰ کے اُس حکم پر ہے جو نبی کریم علیہ السلام کے ذریعے ہم تک پہنچا، آپ ﷺ نے فرمایا: ”قربانی کے دنوں میں انسان کا کوئی بھی نیک عمل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں (قربانی کے جانور کا) خون بہانے سے زیادہ محبوب نہیں ہے اور قیامت کے دن یہ جانور اپنے سینگوں، بالوں اور گھروں (یعنی پورے وجود) سمیت حاضر ہوگا اور ذبیحہ کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور قبولیت کے مرتبے کو پا لیتا ہے، (سوائے اہل ایمان!) خوش دلی سے قربانی کیا کرو، (سنن ترمذی 1493)۔“

اگر مادی اعتبار سے بھی دیکھا جائے تو ایسا کبھی نہیں ہوا کہ قربانی کے جانور کا گوشت اور کھال رُل رہی ہو اور کوئی اس کا طلب گار نہ ہو۔ بعض مقامات پر تو قربانی کی کھال بھی طاقت کے بل پر حاصل کرنے کا رواج ہے، الغرض قربانی کے جانوروں کی چربی، اوجھڑیاں، آنتیں، سری، اور مختلف اجزاء لوگوں کے روزگار کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ ہم نے نہیں دیکھا کہ جو لوگ قربانی نہیں کرتے انہوں نے قربانی کے مساوی رقم نکال کر کسی فلاحی ادارے کو دے دی ہو۔ قرآن کریم نے روح قربانی کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: (۱) ”أَنْ (قربانی کے جانوروں) کا گوشت اور خون اللہ کی بارگاہ میں نہیں پہنچتا، بلکہ تمہارا تقویٰ اس کی بارگاہ میں پہنچتا ہے (جو اس فعل قربانی کا سبب بنتا ہے)، (الحج: 37)۔“

(۲) (اے رسول!) کہہ دیجئے، بے شک میری نماز، میری قربانی اور میرا جینا اور مرنا اللہ رب العالمین کے لیے ہے، اس کا کوئی

شریک نہیں ہے اور مجھے یہی (پیغام پہنچانے) کا حکم دیا گیا ہے اور میں (عالم ارواح میں اول الخلق ہونے کے سبب) پہلا مسلمان ہوں، (انعام 62-161)۔“ حدیث پاک میں ہے: ”میں اس وقت بھی نبی تھا جب کہ آدم علیہ السلام روح کے جسم کے ساتھ متعلق ہونے کے مرحلے میں تھے، (مصنف ابن ابی شیبہ 36553)۔“

قربانی کا مقصد گوشت پوست کا حصول نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ ماضی کی امتیں جب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کوئی نذریا صدقہ یا قربانی پیش کرتیں، تو اسے کھلے میدان میں رکھ دیا جاتا، آسمان سے آگ آتی اور اسے جلا ڈالتی اور یہ اُس کی قبولیت کی دلیل ہوتی۔ قرآن کریم میں ہے: ”جن لوگوں (یعنی یہود) نے کہا: اللہ نے ہم سے یہ عہد لیا ہے کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں تا وقتیکہ وہ ہمارے سامنے ایسی قربانی پیش کرے جسے (آسمانی) آگ کھا جائے، (اے رسول!) کہہ دیجئے: مجھ سے پہلے تمہارے پاس کئی رسول روشن نشانیاں لے کر آئے اور (خاص طور پر) یہ نشانی بھی جس کی بابت تم نے کہا ہے، تو اگر تم (اس مطالبے میں) سچے ہو تو تم نے ان رسولوں کو کیوں شہید کیا؟، (آل عمران 183)۔“ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے یہود کے اس مطالبے کو کجبت بازی سے تعبیر فرمایا اور اس کے ساتھ اشارتاً یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ ماضی میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جو نذریا صدقہ یا قربانی پیش کی جاتی تھی، آسمان سے آگ آتی اور اسے جلا ڈالتی اور یہ اُس کی قبولیت کی دلیل ہوتی تھی۔

قربانی کی تاریخ بھی اتنی ہی قدیم ہے جتنی خود انسان کی تاریخ، سورہ مائدہ آیت: 27 میں آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کی جانب سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قربانی پیش کیے جانے، ایک کی قربانی کے قبول ہونے اور دوسرے کی رد ہونے کا ذکر ہے، ظاہر ہے کہ قبولیت کی علامت یہی تھی کہ آسمان سے آگ آئی اور اسے جلا ڈالا اور فوری نتیجہ نکل آیا، جس کی قربانی رد ہوئی وہ سر عام رسوا ہوا۔ حدیث پاک میں ہے: ”(ایک نبی کو اللہ تعالیٰ نے جہاد میں فتح عطا فرمائی تو) انہوں نے مال غنیمت کو (میدان میں) ڈھیر کر دیا، اُسے کھانے کے لیے آگ آئی، لیکن اُسے نہ کھایا۔ اس نبی نے فرمایا: تم میں کوئی خائن ہے، تمہارے ہر قبیلے میں سے ایک شخص مجھ سے بیعت کرے، سو انہوں نے کی، تو ایک شخص کا ہاتھ اُن کے ہاتھ سے چٹ گیا، انہوں نے فرمایا: خائن تمہارے قبیلے کا آدمی ہے، پس تمہارے قبیلے کا ہر فرد میرے ہاتھ پر بیعت کرے، تو (ان میں سے) دو یا تین افراد کے ہاتھ ان کے ہاتھ سے چٹ گئے، انہوں نے فرمایا: تم نے خیانت کی ہے، (انہوں نے اعتراف کیا) اور گائے کے سر کے برابر سونا نکال کر لائے، اس نبی نے فرمایا: اسے دوسرے مال پر رکھ دو، پھر آگ آئی اور (پورے ڈھیر کو) جلا ڈالا، پس ہم سے پہلے کسی نبی کی امت کے لیے مال غنیمت حلال نہ تھا، اللہ تعالیٰ نے ہمارے عجز کو دیکھا اور ہمارے لیے اسے پاک قرار دے دیا، (صحیح مسلم 1747)۔“ رسول اللہ ﷺ نے دیگر انبیاء کرام پر اپنی فضیلت کی منجملہ وجوہ میں سے ایک یہ بیان فرمائی: ”میرے لئے مال غنیمت کو حلال کر دیا گیا ہے، جو مجھ سے پہلے کسی بھی نبی (کی امت) کے لئے حلال نہیں تھا، (صحیح مسلم: 521)۔“

الغرض اللہ تعالیٰ کا اس امت پر خصوصی کرم ہے کہ اپنے صدقات اور قربانیوں پر اجر بھی پاتے ہیں، ان سے فائدہ بھی اٹھاتے ہیں اور رد و قبول کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے پردہ پوشی فرمائی اور سر عام رسوا ہونے سے بچالیا، ورنہ کون جانے کہ کسی کی

سات ہزار روپے کی قربانی قبول ہوگئی ہو اور پچیس لاکھ روپے والے کی رد ہوگئی ہو۔

اگرچہ فقہی اعتبار سے قربانی کا جانور جتنا قیمتی ہوگا، اُسی کے مطابق اجر بھی عطا ہوگا۔ لیکن آج کل قربانی میں نام و نمود کا عنصر سرایت کر گیا ہے، انتہائی قیمتی جانوروں کی میڈیا پر تشہیر کی جاتی ہے اور اس سے بعض لوگ اپنی شان و شوکت کا اظہار کرتے ہیں، یہ شعار روح قربانی اور جذبہ عبادت کے منافی ہے۔ پس اعتدال سے کام لینا چاہئے، کیونکہ آج کل غربت اور امارت کا تفاوت بڑھتا جا رہا ہے اور اس کے نتیجے میں معاشی اعتبار سے نچلے طبقات میں مایوسی کے جذبات فروغ پاتے ہیں۔ اگر ہمارے ریاستی اور حکومتی نظام نے سماجی زندگی میں نمود کے کلچر کی حوصلہ شکنی نہ کی تو کوئی بھی مہم جو عوام میں اشتعال پیدا کر کے نفرت کے جذبات کو ابھار سکتا ہے، جبکہ ہم پہلے ہی داخلی اعتبار سے عدم استحکام، فساد و تخریب، قتل و غارت اور دہشت گردی کا شکار ہیں، ہمیں افسوس ہے کہ میڈیا نمود کے اس شعار کو فروغ دینے کا زیادہ ذمہ دار ہے۔

المیہ یہ ہے کہ ہم صورت عبادت تو اختیار کر لیتے ہیں، لیکن روح عبادت اور حقیقت عبادت سے کوسوں دور رہتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ہماری عبادات کے روحانی، اخلاقی اور سماجی اثرات معاشرے میں رونما نہیں ہوتے۔ ہم نماز کے فضائل بیان کرتے ہوئے دعویٰ کرتے ہیں کہ نماز نظم و ضبط سکھاتی ہے، لیکن آج ہم ایک منظم قوم کی بجائے منتشر ہجوم میں تبدیل ہو چکے ہیں۔ افراد کے درمیان، فرد اور حکومت کے مابین حقوق و فرائض کا جو متوازن اور نئے دارانہ نظام ہونا چاہئے، وہ ہم میں مفقود ہے، حتیٰ کہ تخریب و فساد کے ماحول سے نکلنے کے لئے بھی ہم یک سو نہیں ہیں۔ ہماری حکومتی پالیسیاں حکمت و بصیرت اور تدبیر سے عاری نظر آتی ہیں، ہم داخلی اور خارجی خطرات کا جرات و استقامت کے ساتھ سامنا کرنے کی بجائے خوف کے عالم میں ہنگامی پالیسیاں ترتیب دیتے ہیں اور کوئی بھی خوفزدہ قوم کسی بھی داخلی یا خارجی محاذ پر فتح یاب اور سرخ رُو نہیں ہو سکتی۔ حالات ہم سے مختلف سطحوں پر قربانی اور ایثار کا تقاضا کرتے ہیں، لیکن ہم نوشتہ دیوار پڑھنے کی صلاحیت سے عاری ہو چکے ہیں۔ ہم اقتدار سے باہر ہوں تو ہماری سوچ کا انداز کچھ اور ہوتا ہے اور اقتدار کے ”بیٹ الجن“ میں داخل ہو جائیں تو سوچ کے انداز بدل جاتے ہیں، پھر ہم حقائق و واقعات کو اقتدار کی عینک سے دیکھتے ہیں، علامہ اقبال نے کہا ہے:

تھا جو ناخوب، بتدریج وہی خوب ہوا کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

اقوام عالم یادگاریں قائم کرنے کے لیے بڑے بڑے ہیکل، مینار اور گنبد تعمیر کرتے ہیں، لیکن اسلام نے اقتدار کو عبادت کا درجہ دے کر قیامت تک کے لیے زندہ و تابندہ کر دیا۔ صحابہ کرام نے بارگاہ رسالت میں عرض کی: ”یا رسول اللہ! یہ قربانیاں کیا ہیں؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے باپ ابراہیم کی سنت ہیں، انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! ہمارے لیے اس میں کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: (قربانی کے جانور کے) ہر بال کے عوض ایک نیکی ہے، صحابہ کرام نے عرض کی: یا رسول اللہ! روئیں والے جانور کا کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: روئیں کے ہر بال کے بدلے میں ایک نیکی ہے، (سنن ابن ماجہ 3127)۔